پاس پا لیتا ۔" (پھر اللہ تعالےٰ فرمائے گا) " اے ابنِ آدم! میں نے تجھ سے پانی پلانے کو کہا تو تُو نے مجھے پانی نہ پلایا ۔" وہ کہے گا " پروردگار! میں تجھے پانی کیسے پلاتا جب کہ تو سارے جہانوں کا رب ہے ؟" (اس پر ارشاد ہوگا) " میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی پلانے کی درخواست کی تھی تو تُو نے اسے پانی نہیں پلایا تھا ۔ اگر تو نے اسے پانی پلایا ہوتا تو اس (پانی) کو میرے پاس پا لیتا ۔" (اسلام میں عدلِ اجتماعی مصنّفہ سید قطب شہید مترجم جناب نجات اللہ صاحب صدیقی)

اس حدیثِ قدسی کے ہوتے ہوئے تعجب ہے کہ بعض اوقات خدا کی مشیت کے حوالے سے مصائبِ انسانی سے لاتعلقی اور بے حسی کے رویہ کی نظریاتی توثیق کی جاتی ہے ۔ میرے ایک نہایت ہی فاضل دوست ایک دفعہ بڑے سرسری انداز میں کہنے لگے " بھئی یہ سارا جھگڑا ہی فضول ہے ۔ یہ سب کچھ تو خدا کی مشیت کا کیا دھرا ہے اور معاشی مسئلے کا اسلامی حل یہی ہے کہ ہم سب موجودہ صورتِ حال پر راضی برضا رہیں ۔" یہ واضح طور پر خدا کی مشیت اور اس کی رضا کے تصورات کو گڈمڈ کرتا ہے ۔ اس کائنات میں خدا کی مشیت کے بغیر کچھ بھی وقوع پذیر نہیں ہو سکتا ۔ مثلاً بالکل بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ خدا کی مشیت یہی تھی کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت واقع ہو لیکن اس بات کو یزید کی شقاوت اور اس کے ظلم کا جواز بنا لینا کسی طرح بھی روا نہیں ہو سکتا ۔ اگر میرے فاضل دوست اور ان کے دیگر ہم خیال اصحاب بُرا نہ مانیں تو یہ عرض کیا جائے کہ کفارِ مکہ کا رویہ بھی ہو بہو یہی تھا ۔ سورۂ یٰسین کی آیت ۴۷ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ جب ان کفار سے یہ کہا جاتا ہے کہ جو کچھ تمہیں رزق دیا گیا ہے اس میں سے کچھ (اپنے نسبتاً کم خوش قسمت بھائیوں پر) خرچ کرو تو وہ کہتے ہیں :

اَنُطۡعِمُ مَنۡ لَّوۡ یَشَآءُ اللّٰہُ اَطۡعَمَہٗ " کیا ہم ان لوگوں کو کھانے کو دیں جنہیں اگر خدا چاہے تو (بہت کچھ) کھانے کو دے دے ۔" (ترجمہ عبدالماجد دریا آبادی)

یہ سنگ دلانہ رویّہ جاہلیتِ قدیمہ کے علمبرداروں کے ساتھ خاص نہیں ۔ وہ جاہلیّت جدیدہ جسے لبرل ازم کہا جاتا ہے جس کا امام آدم سمتھ ہے ۔ اس کی تعریف آنڈرے املوک

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

نے یوں کی ہے۔ "لبرل ازم کیا ہے ! یہ کہ آدمی کو دریا میں پھینک دو اور کہو کہ اب تم ڈوبو یا تیرو، یہ تمہاری مرضی۔"

(منقولہ اردو ڈائجسٹ فروری ۱۹۸۲ء)

فرق صرف اتنا ہے کہ جاہلیتِ قدیمہ کے علمبردار (اور غیر شعوری طور پر ان کے پیروکار، دورِ حاضر میں اسلام کے بزعمِ خود نباض' جاہل اور بے حس مدّعی) مصائبِ انسانی کی نظریاتی توثیق خدا کی مشیت کے حوالہ سے کرتے تھے یا کرتے ہیں، اور جاہلیتِ جدیدہ کی ایک شکل لبرل ازم میں یہ نظریاتی توثیق بہتر معاشی کارکردگی کے حوالے سے کی جاتی ہے۔ جہاں تک حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّتِ مبارکہ اور اسوۂ حسنہ کا تعلق ہے، اُن کے حوالہ سے مطلوب رویہ اس سے بالکل مختلف ہے، اور یہ رویّہ انسان دوستی کا ہے۔ ہمیں کبھی نہ کبھی یہ فیصلہ ضرور کرنا ہو گا کہ ہم نے گرتے ہوؤں کو تھامنے کی سنّتِ نبویؐ کا اتباع کر کے پاکستان میں اسلامائزیشن کے عمل کو آگے بڑھانا ہے۔ یا کفارِ مکہ اور آدم سمتھ کی پیروی میں مصائبِ انسانی سے لاتعلقی اور بے حسی کے رویّہ کو جاری رکھنا ہے۔ اور اس طرح بقول اقبال "فطرت کی سخت تعزیروں" کا مستحق بننا ہے۔ ہمیں یہ فیصلہ جلد اور مؤثر طور پر کرنا ہو گا۔ کیونکہ ایسا لگتا ہے کہ اب زیادہ مہلت باقی نہیں رہ گئی ہے اور جیسا کہ محترمہ سائرہ ہاشمی نے فرمایا ہے "وقت کا تازیانہ ہمارے جسم سے صرف ایک ساعت کے فاصلے پر ہی تو آکر رکا ہوا ہے۔"

xxxxxxxxxxxxxxx

## بقیہ : ھدایت القرآن

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کی قومی زندگی کا یہ وہ وقت تھا جبکہ آپریشن کے ذریعہ فاسد خون نکالدینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے بغیر زخم بھرنے والی دواؤں سے کام نہیں چلتا ہے۔ اس حکم کے ذریعے اللہ نے گائے کی عظمت کو ان کے دل سے کھرچ پھینکنے کا راستہ دکھایا کہ جب تک اس کی عظمت دلوں میں موجود رہے گی دوسرے احکام (زخم بھرنے والی دواؤں) کا خاطر خواہ فائدہ نہ ہو سکے گا۔

ایسے موقع پر قوم کی کس طرح دلجوئی کی ضرورت ہوتی ہے اور قائدین کو کس تحمل و برداشت سے کام لینا پڑتا ہے اس کا نمونہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طرزِ عمل میں دکھایا گیا ہے (جاری ہے)

(۸)

ڈاکٹر محمد رفیع الدّین مرحوم

# حکمتِ اقبال

## فلسفۂ خودی کی تشریح ہمیشہ ترقی کرتی رہے گی

شارحین اقبال کا کام لوگوں کو یہ سمجھانا ہے کہ اقبال نے کیا کہا ہے لیکن جب تک وہ یہ نہ بتائیں کہ اقبال نے جو کچھ کہا ہے وہ معلوم اور مسلّم عقلی اور علمی معیاروں کے مطابق صحیح اور درست ہے وہ اس کام کو پُوری طرح سے انجام نہیں دے سکتے۔ اگر ہمارے نزدیک اقبال کے افکار قابلِ قدر یا قابلِ قبول ہیں تو اس لیے ہیں کہ وہ علم اور عقل کے پیمانوں کے مطابق معیاری اور درست ثابت کیے جاسکتے ہیں اور درست ثابت ہو کر رہیں گے۔ اقبال کسی الہام کا مدعی نہیں اس کا دعویٰ فقط یہ ہے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے وہ علمی اور عقلی طور پر صحیح ہے اور کسی تصوّر کا عقلی طور پر درست ہونا اس کے سوائے اور کوئی معنی نہیں رکھتا کہ وہ ان تمام تصوّرات کے ساتھ مناسبت و مطابقت رکھتا ہے جو عقلی و علمی طور پر درست مانے جاسکتے ہیں صحیح تصوّرات کا امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ عقلی و علمی نقطۂ نظر سے ایک دوسرے کے مؤیّد ہوتے ہیں لہٰذا وہ تصوّرات کا ایک ایسا مجموعہ بناتے ہیں جس کے اندر کوئی غلط تصوّر داخل نہیں ہوسکتا۔ ہم اس مجموعہ سے کوئی تصوّر نکال کر اس کی جگہ کسی غلط تصوّر کو نہیں رکھ سکتے۔ اگر ہم ایسا کریں تو وہ تصوّر اس مجموعہ سے غیر متعلق اور الگ تھلگ نظر آئے گا اور اس کی وجہ سے مجموعہ کے منطقی تسلسل میں دراڑ پیدا ہو جائے گا جو آشکار طور پر نظر آئیگا لہٰذا کسی تصوّر کے درست ہونے کا معیار یہ ہے کہ ہم بتا سکیں کہ وہ فی الواقع دوسرے تمام درست تصوّرات کے ساتھ علمی اور عقلی مناسبت یا مطابقت رکھتا ہے اور اس کی جگہ لینے والا کوئی دوسرا تصوّر ان کے ساتھ اس قسم کی کوئی مطابقت یا مناسبت نہیں رکھتا۔ اقبال کے تصوّرات، صحت اور معقولیّت کے اس معیار پر پُورا اُترتے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ انسانی، حیاتیاتی اور طبیعاتی علوم

© rasailojaraid.com

آخر کار اقبال کے تصورِ خودی پر مبنی ہو جائیں اور خودی کی تشریح اور تفسیر قرار پائیں تصورِ خودی کی یہ تشریح اور تفسیر علم کی آج تک کی ٹھوکروں کا مداوا اور آج تک کی بے راہ روی کا علاج ہو گی جس کے لیے نوعِ انسانی ہمیشہ کے لیے اقبال کی شکر گزار ہو گی۔ بعد میں حقیقتِ انسان و کائنات کے متعلق ہمیں جو کچھ معلوم ہوتا جائے گا وہ خواہ اس کا تعلق علم کے کسی شعبہ سے ہو خود بخود اس نظامِ افکار کا جزو بنتا چلا جائے گا یہی مطلب اقبال کا ہے جب وہ لکھتا ہے :

"تاہم یہ یاد رہے کہ تحقیقِ علم و حکمت کی کوئی انتہا نہیں ہو سکتی۔ جوں جوں علم ترقی کرتا جائے گا اور فکر کے نئے نئے راستے کھلتے جائیں گے۔ ان ہی مطالب کی تشریح کے لیے اور تصورات اور غالباً بہتر تصورات میسر آتے جائیں گے ہمارا فرض ہے کہ ہم انسان کی علمی ترقیوں کا جائزہ لیتے رہیں اور اپنے نظریۂ حیات پر قائم رہتے ہوئے ان پر تنقیدی نگاہ ڈالتے رہیں۔"

ان معروضات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نہ صرف اقبال پر لکھنا ابھی ختم نہیں ہوا بلکہ ابھی تک پوری طرح سے اس پر لکھنے کا آغاز بھی نہیں ہوا اور جب اس پر لکھنے کا آغاز ہو گا تو پھر اس پر لکھنا صرف اس وقت ختم ہو گا جب ہم انسان اور کائنات کے متعلق کسی پہلو سے بھی اور کچھ جاننے سے مجبور ہو جائیں گے اور ظاہر ہے کہ جب تک انسان اس کرۂ ارض پر موجود ہے یہ وقت کبھی نہیں آ سکتا اس کا مطلب یہ ہے کہ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا اقبال کے فلسفۂ خودی کی معقولیت اور جاذبیت زیادہ سے زیادہ آشکار ہوتی جائے گی۔ لہٰذا مستقبل کا انسان جس قدر اقبال کی عظمت کا معترف ہو گا آج کا انسان نہیں ہو سکتا ایک سچے تصورِ حقیقت پر قائم ہونے والے نظامِ حکمت کی ہر ترقی اس کی اگلی ترقی کو آسان کرتی ہے اور اس طرح سے اس کی غیر متناہی ترقیوں کا دروازہ کھول دیتی ہے جب اقبال کے فلسفۂ خودی کی ایک اور ترقی یافتہ صورت اس کی منظم تشریح کی شکل میں ہمارے سامنے آئے گی تو پھر وہ اور ترقی کرے گا اور لوگ تاقیامت اس پر لکھتے رہیں گے اور اس کی ترقیوں کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو گا کیوں کہ علم کے تینوں شعبوں میں دریافت ہونے والے تمام حقائق صرف اسی کے اجزاء و عناصر شمار ہوں گے۔

com

# فلسفۂ خودی کے مقابل تمام فلسفے مٹ جائینگے

فلسفۂ خودی کی پہلی منظم تشریح کے ظہور سے کچھ عرصہ کے بعد اس تشریح کی اور توسیع کی ضرورت پیش آئے گی اور پھر کچھ مدت کے بعد اس دوسری تشریح کی مزید توسیع کی ضرورت لاحق ہو گی۔ علیٰ ہذالقیاس اوپر ہم دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح سے ایک سچا فلسفہ ہمیشہ ترقی کرتا رہتا ہے اور اس کی ترقیاں کبھی ختم نہیں ہوتیں اس کے برعکس چونکہ علمی حقائق ایک غلط فلسفہ کے ساتھ جو غلط تصورِ حقیقت پر مبنی ہوتا ہے مطابقت نہیں رکھتے لہٰذا ان حقائق کی ترقی کی وجہ سے زود یا بدیر ایک ایسا وقت خود بخود آجاتا ہے جب غلط فلسفہ کی فرضی معقولیت کا پردہ چاک ہو جاتا ہے اور وہ اپنا دم توڑ دیتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ فکرِ اقبال کی اس قسم کی منظم تشریح ایک ایسے دور کو قریب لائے گی جب دنیا میں صرف ایک ہی فلسفہ باقی رہے گا اور وہ اقبال کا فلسفۂ خودی ہو گا اور دوسرے تمام فلسفے یا تو کلیتہً مٹ جائیں گے یا پھر نوعِ انسانی کے ادوارِ جہالت کی یادگار کے طور پر باقی رہیں گے یہی سبب ہے کہ اقبال دورِ حاضر کے انسان سے نہیں بلکہ مستقبل کے انسان سے امید رکھتا ہے کہ وہ پوری طرح سے اس کی عظمت کا اعتراف کرے گا اور اس کے فکر کو اپنی عملی زندگی کی بنیاد بنائے گا یہی وجہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اس کے فکر نے وہ آہوئے تاتار فتراک میں باندھا ہے جو ابھی عدم سے وجود میں نہیں آیا اس کے باغ کی زینت وہ سبزہ ہے جو ابھی اگا نہیں اور اس کا دامن ان پھولوں سے بھرا ہوا ہے جو ابھی شاخ ہی میں پوشیدہ ہیں

فکرم آں آہو سرِ فتراک بست
کو ہنوز از نیستی بیروں نجست
سبزہ نا رُو ئیدہ زیبِ گلستم
گل بشاخ اندر نہاں در دامنم

اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو شاعرِ فردا کہتا ہے اور اپنے آپ کو ایسا نغمہ سمجھتا ہے جسے زخمہ ور کی حاجت نہیں اور جو سازِ کائنات سے خود بخود بلند ہونے والا ہے وہ کسی آنے والے زمانہ میں اپنی روشن کی ہوئی آگ (نارِ عشق) کے ان پجاریوں کا منتظر ہے جو ابھی سو

© rasailojaraid.com

رہے ہیں اور نیند سے اس وقت اُٹھیں گے جب جہالت کی تاریکیوں کی رات کٹ جائے گی اور سچّی حکمت کی صبح کا نور پھیلنے لگے گا چونکہ اقبال کو معلوم ہے کہ اس کا فلسفۂ خودی نوعِ بشر کی علمی ترقیوں کے ایک خاص دوَر میں ہی پوُری طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ پوُری قبولیّت حاصل کرسکتا ہے اور اپنی پوری شان وشوکت سے جلوہ گر ہوسکتا ہے لہٰذا وہ اپنے ہم عصروں سے یہ امید نہیں رکھتا کہ وہ اس کی قدر کرسکیں گے چونکہ اس کی لَے کی سُر نرالی ہے۔ اس کا ہم عصر اس کے نغمہ کو سمجھ نہیں سکتا۔ اس کے زمانہ کے لوگ رموزِ حیات سے ناواقف ہیں لہٰذا دَورِ حاضر وہ بازار ہی نہیں جہاں اس کے یوسف کے خریدار پائے جاسکیں اس کا نغمہ کسی اور جہان سے تعلق رکھتا ہے جو ابھی پیدا نہیں ہوا اور اس کی جرس کسی اور ہی کاروان کو حرکت میں لانے والی ہے۔

بسکہ عود فطرتم نادر نواست — ہم نشین از نغمہ ام ناآشنا است
نغمہ ام از زخمہ بے پرواستم — من نوائے شاعر فرداستم
انتظار صبح خیزاں مے کشم — اے خوشا زردشتیانِ آتشم
عصرِ من دانندۂ اسرار نیست — یوسف من بہر ایں بازار نیست
ناامید ستم زیارانِ قدیم — طور مے سوزد کہ مے آید کلیم
نغمۂ من از جہانِ دیگر است — ایں جرس را کاروانے دیگر است

---

## فلسفۂ خودی کی اہمیّت اور عظمت کا دعویٰ صحیح ہے

اپنے فکر کی اہمیّت اور عظمت کا یہ دعویٰ جو اقبال نے بار بار اپنے اس قسم کے اشعار میں کیا ہے۔ درحقیقت خودی یا جوہرِ انسانی کے اوصاف کا ایک علمی اور عقلی نتیجہ ہے جس سے گریز ناممکن ہے اقبال جوہرِ انسانی کے اوصاف کو معنی آدم کہتا ہے اور بتاتا ہے کہ کس طرح سے جب وہ ارتقاء کی قوتوں کے نہ رُکنے والے عمل سے انسان کی عملی زندگی میں آشکار ہوں گے تو انسان کی زندگی جس کی موجودہ غیر متوازن حالت دل میں کھٹکتی ہے ہر لحاظ سے موزوں اور تسلّی بخش ہوجائے گی، یہاں تک کہ نوعِ انسانی اپنے حسن وکمال کی اس انتہا پر پہنچ جائے گی جس کا اس

وقت ہم تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ ہم اقبال سے کیا پوچھیں خود فطرتِ انسانی اس کے دعویٰ کی صداقت پر گواہ ہے۔

یکے در معنیٔ آدم نگر از ما چہ مے پرسی
ہنوز اندر طبیعت مے خلد موزوں شود روزے

لہٰذا اقبال کا یہ دعویٰ اس کے فلسفہ کا جزو لاینفک ہے اگر اقبال اپنے فلسفہ کے اس اہم جزو کے متعلق اس لیے خاموش رہتا کہ اس کے اظہار سے اس کی اپنی ستائش کا پہلو نکلتا ہے تو وہ گویا اپنے تصوّر خودی کی حقیقت کو بہ تمام و کمال بیان کرنے سے قاصر رہ جاتا جو اسے کسی قیمت پر قابلِ قبول نہ ہو سکتا تھا لہٰذا جو لوگ اقبال کے اس دعویٰ کو بے کار اور بے معنی نہیں سمجھتے وہ حق بجانب ہیں لیکن آج تک جو کچھ اقبال پر لکھا گیا ہے اس سے اقبال کے اس دعویٰ کی عقلی اور علمی بنیادیں آشکار نہیں ہوتیں یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ موجودہ اقبالی ادب کے حاصلات سے مطمئن نہیں۔ قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی اپنی کتاب "اقبالیات کا تنقیدی جائزہ" میں جو ۱۹۵۵ء میں چھپی تھی لکھتے ہیں:

"فلسفہ خودی پر اب تک کوئی جامع اور مبسوط کتاب نہیں لکھی گئی۔ اقبال کی وفات کو آج ۱۷ سال ہوئے ہیں مگر اب تک ان پر جو کام ہونا چاہیے تھا وہ نہیں ہوا۔"

ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے لکھا تھا:

"گو کلامِ اقبال کے متعلق مضامین کی فہرست بظاہر طویل ہے لیکن اس کی عظمت اور بلندی کی نسبت سے اب بھی بہت تشنہ اور مختصر ہے۔"

اس پر قاضی احمد میاں اختر لکھتے ہیں:

ہر وہ شخص جس نے اقبالیات کی تعداد کے ساتھ ہی ان کی نوعیّت اور قدر و قیمت کا اندازہ کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کے ساتھ اتفاق کرے گا کہ اب تک اقبالیات کے نام سے جو ذخیرۂ ادب تیار ہو چکا ہے وہ اس پایہ کا نہیں جیسا کہ ہونا چاہیے اور جس سے اقبال کے مطالعہ میں کافی مدد مل

© rasailojaraid.com

کے اکثر تحریرات ایک دوسرے کی نقل ہیں، یہی وجہ ہے کہ ناقدین اقبال کو ان پر اعتراض کرنے کا موقع مل گیا ہے اب ضرورت اس بات کی مقتضی ہے کہ مطالعۂ اقبال کے سلسلہ میں کوئی علمی اور ٹھوس کام کیا جائے اور اس میں ایسے اصحابِ فکر و نظر حصہ لیں جو اقبال شناسی میں امتیازی درجہ رکھتے ہوں"۔

لیکن اگر اقبال کا یہ دعویٰ صحیح ہے تو ان لوگوں کے اقوال اقبال نافہمی کے ایک مضحکہ خیز مظاہرہ سے کم نہیں جو کہتے ہیں کہ اب ہمیں سوچنا چاہیے کہ اقبال کے افکار میں سے کون سے مر گئے ہیں اور کون سے زندہ ہیں یا جو یہ کہتے ہیں کہ اقبال پر لکھنے کا زمانہ اب ختم ہو گیا ہے۔

## فلسفۂ خودی کی منظم اور مکمل تشریح کی خصوصیات

ان حقائق کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ضروری ہے کہ فلسفۂ اقبال کی منظم اور مکمل تشریح خصوصیات ذیل کی حامل ہو۔

اوّل: ضروری ہے کہ وہ ایک ایسے مسلسل اور مربوط نظامِ حکمت کی شکل میں ہو جس میں اقبال کے تمام تصوّرات جو اس وقت اس کی نظم یا نثر کی کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں خواہ وہ کسی موضوع یا مطالعہ سے تعلق رکھتے ہوں ایک زنجیر کی کڑیوں کی طرح آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اور اقبال کے مرکزی تصوّرِ خودی کے ساتھ عقلی اور علمی رشتہ میں منسلک ہوں۔

دوئم: ضروری ہے کہ اس کے اندر طبیعات، حیاتیات اور نفسیات کے تمام ایسے حقائق جن کو آج تک سائنسدانوں اور فلسفیوں نے دریافت کیا ہے اور جو اقبال کے تصوّرات کے ساتھ مناسبت اور مطابقت رکھتے ہیں اپنے مناسب نتائج اور مضمرات کے سمیت اقبال کے تصوّرات کی تائید اور توثیق اور تشریح اور توسیع کے لیے سموئے ہوئے موجود ہوں۔

سوئم: ضروری ہے کہ اس کا مرکزی اور بنیادی تصوّر اقبال کا تصوّرِ خودی ہو جس کی اصل خدا کا وہ تصوّر ہے جو نبوّتِ کاملہ کی تعلیمات نے پیش کیا ہے۔ اور اس کے دوسرے تمام تصوّرات خدا کے اسلامی تصوّر کی تشریح اور تفسیر کے طور پر ہوں لہٰذا اس میں جابجا قرآن کی آیات اور احادیث کو اقبال کے تصوّرات کی تائید اور توضیح کے لیے پیش کیا گیا ہو۔

چہارم: ضروری ہے کہ وہ تمام متداول اور رائج الوقت غلط قسم کے طبیعاتی، حیاتیاتی اور نفسیاتی فلسفوں کی ایسی تردید پر مشتمل ہو جو صحیح حقائق کو غلط حقائق سے الگ کر کے اور غلط حقائق کو درست حقائق بنا کر اقبال کے فلسفۂ خودی کے اندر سموتی ہو گویا وہ فلسفۂ طبیعات، فلسفۂ حیاتیات اور فلسفۂ نفسیات کی تعمیر جدید کی شکل میں ہو۔

## اقبال کا فلسفہ عالم انسانی کے عالمگیر نظریاتی مرض کا صحت بخش ردِّ عمل ہے

جب ایک جسم حیوانی میں کسی مرض کے جراثیم داخل ہو کر بڑھتے اور ترقی کرتے ہیں یہاں تک کہ اس میں مرض کی حالت پیدا کر دیتے ہیں تو زندگی کی رو جو حیوان کے اندر بہہ رہی ہوتی ہے (جو درحقیقت اسے پیدا کرتی اور نشوونما کے سارے مرحلوں سے گزار کر جسمانی یا حیاتیاتی کمال تک پہنچاتی ہے) فوراً ان جراثیم کے خلاف ایک ردِّ عمل کرتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حیوان کے جسم کے اندر جراثیم کے زہر کا تریاق یا فادزہر پیدا ہونا شروع ہوتا ہے جسے ماہرین علم الابدان اینٹی ٹاکسنز (ANTI TOXINS) یا اینٹی باڈیز (ANTI BODIES) کہتے ہیں یہ فادزہر متواتر پیدا ہوتا اور ترقی کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جراثیم ختم ہو جاتے ہیں اور ان کا زہر بھی باقی نہیں رہتا اور ان کی بجائے یہ تریاق جسم میں باقی رہ جاتا ہے جس کی وجہ سے مرض کا دوسرا فوری حملہ ممکن نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ اب یہ بات عام طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ کسی مرض کے خلاف کوئی حفاظتی یا مدافعتی تدبیر اس سے زیادہ کارگر اور مؤثر نہیں ہو سکتی کہ بدن میں مرض کی حالت مصنوعی طور پر پیدا کر کے قدرت کو اس کے خلاف ردِّ عمل کرنے اور اس کا تریاق پیدا کرنے کا موقع دیا جائے بعض امراض کے حفاظتی ٹیکے اسی اصول پر ایجاد کیے گئے ہیں پوری نوعِ انسانی کی صورت میں بھی یہی اصول کام کرتا ہے زندگی کی رو جس نے حضرتِ انسان کو ایک جونک کی حالت سے ترقی دے کر جسمانی اور حیاتیاتی کمال تک پہنچایا ہے اور اس کی نسل کو لاتعداد خطرات سے بچا کر اور ترقی اور فروغ دے کر دنیا کے کناروں تک پھیلایا ہے وہی اس کو نفسیاتی اور نظریاتی کمال کے اس مقام تک پہنچانے کی ذمہ دار ہے جو درحقیقت اس کی ساری کاوشوں اور محنتوں کا مدعا اور مقصود ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے انبیاء کے ایک طویل سلسلہ کے ذریعے سے نوعِ بشر کی روحانی اور نظریاتی حفاظت و تربیت کا ایک

© rasailojaraid.com